تبصرہ و تعارف

ادب اور نفسیاتی تنقید

مصنف: ڈاکٹر خورشید سمیع – مرتب: ڈاکٹر کمال سمیع
صفحات: ۳۰۲، قیمت: ۵۰۰/روپے
مطبع: براؤن بک پبلی کیشنز، نئی دہلی

''ادب اور نفسیاتی تنقید'' ڈاکٹر خورشید سمیع کی خالص ادبی تنقید کی کتاب ہے جو ان کے صاحبزادے ڈاکٹر کمال سمیع نے ترتیب دی ہے۔ مجھے اس بات سے بڑی حیرانی ہوئی کہ وہ اردو کے پروفیسر نہیں بلکہ انجینئرنگ کالج کے پروفیسر رہے ہیں، باوجود اس کے اردو تنقید پر گہری نظر رکھتے ہیں۔

یہ کتاب بے حد علمی، تحقیقی اور تنقیدی نوعیت کی ہے- اس کے تعلق سے یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ یہ کافی عرق ریزی اور ذاتی مشاہدے ومطالعے کے بعد معرض وجود میں آئی ہے۔

اس کتاب پر راست گفتگو کرنے سے قبل میں نے تمہید کے طور پر چند معروضات تحلیل لفظی کے طور پر تحریر کرنے کی سعی کی ہے تا کہ لفظوں کے تعلق سے بنیادی چیزیں واضح ہو جائیں۔ کیوں کہ لفظ ہی ہماری ملکیت ہے ہم کچھ بھی لکھنے سے پیشتر لفظ کو اپنی دسترس میں لاتے ہیں اس کے بعد لفظوں کے سہارے ہم اپنی کتاب زیست تحریر کرتے ہیں اور اگر لفظ ہماری دسترس سے باہر ہوں، وہ ہمارا ساتھ نہ دیں تو ہم لفظ الف لکھنے سے بھی قاصر ہیں- ہم کائنات تو سوچ سکتے ہیں، مگر لفظ کے بغیر ایک حرف بھی لکھ نہیں سکتے۔ اس لیے لفظوں کا ہماری کہانی میں کلیدی کردار ہوتا ہے۔ لہٰذا لفظوں کے مالہ، و ماعلیہ سے ہمارا واقف ہونا ازحد ضروری ہی نہیں بلکہ ناگزیر ہے۔ اس لیے بھی کہ لفظ ہی خدا ہے اور خدا ہی لفظ ہے۔ اب لفظوں کی بساط دیکھیے۔

مجھے اس موقع پر قرآن کریم کی ایک آیت یاد آرہی ہے۔ 'کل نفس ذائقۃ الموت' ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے نفس کا لفظ استعمال کیا ہے۔ قرآن ہی میں یہ لفظ (نفس) کئی جگہوں پر خالص نفس کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے۔ نفس لوامہ، نفس عمارہ اور نفس مطمئنہ وغیرہ گویا کہ یہ لفظ معنوی اعتبار سے اپنے اندر کافی جاذبیت اور زرخیزی رکھتا ہے- یہی وجہ ہے کہ یہ لفظ کئی معنوں میں مستعمل ہے، ساتھ ہی یہ لفظ ذو معنی بھی استعمال ہوا ہے۔

اردو زبان جذب و انجذاب کی زبان ہے۔ اس کا وافر ذخیرہ دیگر زبانوں کے علاوہ عربی اور فارسی زبان سے ثروت مند ہے۔

''ادب اور نفسیاتی تنقید'' معروف ترقی پسند مستند ادیب اور کئی زبانوں کے عالم ڈاکٹر خورشید سمیع کی اپنے موضوع پر بیحد اہم کتاب ہے۔ اس کتاب کا پہلا لفظ ادب ہے جس کا معنیاتی عکس زبان و بیان، لغت، عروض، انشا، معانی اور بیان پر بسیط ہے- اسی طرح اس کا دوسرا لفظ نفسیاتی ہے لفظ نفسیاتی، نفس سے مشتق ہے۔ اس کا معنوی دائرہ ادراک لفظ اور اصطلاح کی سطح پر بامعنی اور جامع ہے- جیسے جان، روح، ذات، وجود، ہستی، حقیقت، اصلیت اور اصل شے اور ہست وغیرہ۔

تیسرا لفظ تنقید ہے اور تنقید بھی عربی الاصل ہے۔ یہ لفظ اپنے تاریخی پس منظر میں جامعیت کا حامل ہے۔ اس لفظ کا معنوی آفاق جامعیت سے مملو ہے۔ اس کی معنوی تہہ داری میں معنی کا جدلیاتی عنصر بھی پوشیدہ ہے۔ جیسے معنوی اعتبار سے جانچ، پرکھ، تمیز، تبصرہ، نقد، نکتہ چینی اور ایسی جانچ جو اچھے برے، کھرے کھوٹے میں تمیز کرے وغیرہ ہے۔

نفسیاتی تنقید کا عمل دراصل فطری تنقید کا عمل ہے۔ جسے ہم تحلیل نفسی کا عمل بھی کہہ سکتے ہیں۔ دراصل نفس اور فطرت یہ خدا کا خاص عطیہ ہے جسے اس نے بندوں کو ودیعت کیا ہے۔ لہٰذا فطری اور نفسی عمل کو ہم خدائی عمل بھی کہہ سکتے ہیں۔ کیوں کہ اس میں بندوں کا عمل دخل نہیں ہوتا اس عمل کے ذریعہ خدا جو کرتا ہے وہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی فطرت جو خود خدا ہے اس سے وابستہ ہوتا ہے۔

''ادب اور نفسیاتی تنقید'' اس کتاب میں کل چودہ مضامین شامل ہیں جو ملک کے مختلف مؤقر رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں ''نفسیاتی تنقید اور تحلیل نفسی''، فن اور ارتقائی جنسیت ''تحقیق اور تنقید....ایک سرسری جائزہ''، تنقید کا تاثراتی لب ولہجہ ''جمالیات کا ایک دلچسپ پہلو'' روایات کا صحیح شعور اور ''ہم اور ہمارا ادب'' خاص ہیں۔

ویسے باقی مضامین ۱۹۸۰ء کے بعد افسانہ اور علامت نگاری'' کچھ اختر الایمان کے بارے میں''، شہر سے گاؤں تک دھند لائے ہوئے منظر ''مجاز: ایک آواز شکست ساز''، کچھ شکیل کے بارے میں اور 'فراق: شاعر اور مفکر' بھی عمدہ مضامین کی مثال ہیں۔

خورشید سمیع کی تحریروں نے نہ صرف اپنے ہم عصروں کو متاثر کیا ہے بلکہ ان کے سینیئرس بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے۔ انھوں نے ہمیشہ یہ خیال رکھا ہے کہ جو کچھ بھی لکھا جائے اس کی اہمیت صرف تاثراتی اور وقتی نہ ہو یہی وجہ ہے کہ وقت کے اہم ناقدین نے انہیں سراہا ہے۔ رام لعل ان کے ایک مضمون کے تعلق سے لکھتے ہیں'' شاعر نے اب تک جتنے مضامینِ افسانوی

ادب کے بارے میں چھاپے ہیں ان میں خورشید سمیع کا مضمون ایک اچھا اضافہ ہے اور بحث کے نئے دروازے کھول سکتا ہے۔''

جگن ناتھ آزاد نے لکھا ہے کہ:'' آپ نے تنقید کے جو نئے گوشے اجاگر کئے ہیں یہ ایک نیا کام ہے۔تنقید میں آپ کی نگاہ بہت گہرائی تک گئی ہے۔یہ خصوصیت ہر ایک نقاد کو میسر نہیں۔''

خورشید سمیع پر نقادوں اور محققوں کی یہ آرا حتمی نہیں ہے بلکہ ہم عصروں میں بیشتر اہل دانش نے ان پر قلم اٹھایا ہے اور ان کی صلاحیتوں کا اعتراف بھی کیا ہے۔

ان میں ڈاکٹر انور سجاد، قمر رئیس، ندا فاضلی، ڈاکٹر انور سدید، علی سردار جعفری اور گوپی چند نارنگ قابل ذکر ہیں۔

یہ سچ ہے کہ خورشید سمیع کا تخلیقی منطقہ وسیع اور فکری کینوس بسیط ہے ان کی فکر خالص ادبی اور سوچ مثبت ہے۔وہ اپنی فکر کے پختہ کار نقاد ہیں۔

توقع ہے اہل علم اس وقیع اور بیش قیمت کتاب کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

تبصرہ نگار: خان محمد رضوان
شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی دہلی، موبائل:9810862283

تصوف اور بھکتی کی اہم اصطلاحات

مؤلف: شمیم طارق
صفحات: ۴۱۱، قیمت: ۱۸۵/روپے
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

تنقید، تحقیق، کالم نگاری اور شاعری یعنی تخلیق کے حوالے سے شمیم طارق ایک معروف و مقبول نام ہے۔موصوف متنوع موضوعات پر بیس کتابیں تصنیف کر چکے ہیں۔ان کی کتابوں کے موضوعات میں بڑا تنوع ہے جس سے ان کے مطالعے کی وسعت کا سراغ لگتا ہے۔قومی اردو کونسل، نئی دہلی ان کی تین کتابیں شائع کر چکی ہے، جس میں ایک کتاب ''تصوف اور بھکتی کی اہم اصطلاحات'' بھی شامل ہے۔یہ کتاب میرے ہاتھ میں آئی تو ذہن میں آیا کہ اس میں جو کچھ ہے، اس کا ماخذ کیا ہے؟ کتاب کی ورق گردانی شروع کی تو عرض مؤلف ہی میں اس سوال کا جواب مل گیا۔ایک صاحب دل صوفی اور عالم دین مولانا شاہ حافظ محمد علی حیدر قلندر نے تصوف کی اہم اصطلاحات کی ایک لغت مرتب کی تھی جو سو سال پہلے شائع ہو چکی ہے، سو سال میں زبان میں جو تغیر پیدا ہوا اس کے پیش نظر شمیم طارق نے اس میں اس طرح ترمیم و اضافہ کیا کہ مفہوم میں کوئی فرق نہ آئے، مگر زبان آسان ہو جائے۔اس کے علاوہ دوسرے صوفیا کے مکتوبات، ملفوظات اور شارحین کی تشریحات سے بھی استفادہ کیا، یہی طریقۂ کار بھکتی کی اصطلاحات کی وضاحت اور تشریح میں بھی اختیار کیا۔عرض مؤلف میں ان کتابوں کے نام دیے گئے ہیں جن سے استفادہ کیا گیا ہے۔

شاہ تراب علی قلندر کے لفظوں میں:

> ''اصطلاح کا مطلب یہ ہے کہ استادان علوم اپنے مفہوم کو ایسی عجیب و غریب زبان میں بیان کریں کہ اگر کوئی غیر ان کی مجلس میں ہو تو نہ سمجھے یا ان کی کوئی کتاب دیکھے تو بھی نہ سمجھے۔اس گروہ کے مصطلحات دو قسم کے ہیں (۱) جو اشعار یعنی غزلیات و مثنویات میں آئے ہیں۔ (۲) جو کتب نثر و درسیہ میں آئے ہیں۔''

اس تعریف سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ خاص مضمون یا علم کی اصطلاحات کی وضاحت وہی کر سکتا ہے جس کو اس علم یا مضمون میں مہارت بھی حاصل ہو، اس صیغۂ علم کے اور اس شعبۂ علم کے ماہرین کا اعتبار بھی۔شمیم طارق صاحب نے اصطلاحات کی تشریح کا طریقۂ کار یہ رکھا ہے کہ صوفی یا ہندو مذاہب کے علما یا ان کی تحریروں کی روشنی میں ان کے خیالات کا احاطہ کیا جا سکے۔اس کے علاوہ انھوں نے بیشتر الفاظ کے مفاہیم کو بیان کرنے میں اس بات خاص خیال رکھا ہے کہ الفاظ کی تشریح کے ساتھ اس کی سلاست و روانی بھی باقی رہے۔

اس طرح'' تصوف اور بھکتی کی اہم اصطلاحات'' نامی یہ کتاب حوالے کی قابل اعتبار کتاب بن گئی ہے۔شمیم طارق کو زبان پر دسترس حاصل ہے اور ان کا مطالعہ بھی بہت وسیع ہے، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اس خشک موضوع کو بھی شگفتہ بنا دیا اور مشکل سے مشکل لفظ کو آسانی سے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔مثلاً لکھتے ہیں:

> ''ترانہ سے مراد وہ آہنگ محبت ہے جس کے سننے سے سالک کو مستی اور بیخودی طاری ہوتی ہے۔''
>
> یا
>
> '' شجر سے وہ ظاہری جسم مراد ہے جو اربع عناصر سے مرکب ہے۔''اسی طرح ''نغمہ سے صوت سرمدی مراد ہے۔''

اس فرہنگ یا لغت کو پڑھتے ہوئے حیرت ہوتی ہے کہ صوفیا نے لفظوں کو کس درجہ معنوی توسیع کے عمل سے گزارا ہے اور پھر شمیم طارق کا انداز بیان پڑھنے والے کو مسرور کر دیتا ہے۔علمی دنیا میں ان کی پذیرائی ہوتی رہی ہے۔یہ کتاب بھی نہایت اہم ہے اور ایک بڑی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے اس کو شائع کر کے اس

کی اہمیت کا اعتراف کیا ہے۔

تبصرہ نگار: محمد انصر

FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی، موبائل 9013672938

اَرچ

صنف:	تنقیدی مضامین
مضمون نگار:	ڈاکٹر حلیمہ فردوس
صفحات:	۲۳۰، قیمت: ۱۱۵/روپے
ملنے کا پتہ:	کتاب دار، ممبئی

ڈاکٹر حلیمہ فردوس عصر رواں کی ایک معتبر ادیبہ ہیں جن کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ 'ارچ' میرے پیش نظر ہے۔ اس مجموعے میں اکثر مضامین کی نوعیت علمی اور ادبی ہے جس کی قرأت کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ مصنفہ اعلیٰ ادبی ذوق رکھتی ہیں۔ انھوں نے کتاب کو چار شقوں میں تقسیم کیا ہے جس میں 'احقاق'، 'ارتکاز'، 'اختصاص' اور 'احیا' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ پہلے حصے میں نسائی تحریک کے حوالے سے تمام مضامین ہیں۔ ان مضامین میں نسائی حسیت کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔ خواہ وہ تصور محبوب والا مضمون ہو، نسائی مکتوبات کا حوالہ ہو، صنفی مساوات کا مسئلہ ہو یا صفیہ اختر پر مضمون ہو۔ ان تمام مضامین میں ڈاکٹر حلیمہ فردوس نے اپنا نظریہ پیش کیا ہے اور تانیثی رجحان کی بہ نسبت نسائی تحریروں کی اہمیت کا اعتراف کیا ہے جسے واضح طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مصنفہ نے متن کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے۔ جب کہ عام رجحان یہ ہے کہ ہمارے ناقدین دوسروں کے چبائے ہوئے لقمے کو نیا خول لگا کر اپنی تحریروں سے ضم کر دیتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحبہ کی اس روش کی داد دیتے ہوئے پروفیسر علیم اللہ حالی نے موزوں بات کہی ہے۔ ان کے بقول 'حلیمہ فردوس نے پیش نظر تنقیدی مقالات میں اپنے وسیع تر تناظر کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ کئی مقالات نسائی شعر و ادب کے تعین و تقدیر کے لیے نئے زاویۂ نظر کی تشکیل کی دعوت دیتے ہیں۔ نسائی نفسیات اور معاشرے میں اس طبقے کے حوالے سے الگ رویے کی موجودگی میں خواتین کے نثری و شعری اظہارات کی اہمیت پر حلیمہ کے اس نوع کے مقالات نئی معنویت کے ضامن ہیں۔' علیم اللہ حالی کے اس اعتراف کی تصدیق ڈاکٹر صاحبہ کے نئے موضوعات کے مطالعے سے بھی ہوتی ہے۔ 'نسائی غزل میں تصور محبوب' میں غزل ایک ایسی صنف ہے جس کا تصور محبوب کے بغیر ممکن نہیں، لیکن اس کی صحیح نمائندگی کے لیے کلاسیکی غزل کی طرف رجوع کرنا ہوگا کیوں کہ محبوب کے تصور میں پہلی ناکام جنگ آزادی کے بعد بالکل بدل گیا تھا اور یہاں یہ بات واضح رہے کہ یہ مضمون فقط ان خواتین کی تخلیقات کا طواف کرتا ہے جنھوں نے نسائی ادب کے حوالے سے اپنی شاعری کی ہے۔ اس کتاب کی دوسری شق کی ورق گردانی کریں تو افسانے والا مضمون قاری کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے میں کامیاب ہوتا ہے۔ 'اردو افسانے کے اہم نشانات' میں انھوں نے یہ بتانے کی سعی کی ہے کہ نویں دہائی میں بیشتر افسانہ نگاروں نے تجربوں کی بنیاد پر افسانے لکھے ہیں اور موضوعات میں بھی کافی تبدیلی آئی ہے۔ ان افسانہ نگاروں میں وہ نام بھی شامل ہیں جنھوں نے ستر کی دہائی سے لکھنا شروع کیا اور اپنی شناخت اسی کی دہائی میں قائم کی۔ اسی کے عشرے میں بہتر افسانہ نگاروں کی فہرست میں انھوں نے کئی نام گنوائے ہیں جن میں شموئل احمد، سلام بن رزاق، مظہر الزماں، طارق چھتاری، خالد جاوید وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ خالد سعید پر انھوں نے پُر مغز گفتگو کی ہے۔ جدید ادبی تنقید کے منظر نامے پر جن ناقدین نے اپنی ناقدانہ صلاحیت اور ادبی بصیرت کا لوہا منوایا اُن میں خالد سعید کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ ادب میں اُن کی دو حیثیتیں ہیں۔ اوّل: تنقید کے میدان میں ان کا ایک اہم نام ہے۔ دوم: تنقید کے علاوہ انھوں نے تخلیق کار کی حیثیت سے بھی اپنی پہچان بنائی ہے۔ ۱۹۸۵ء میں ''شب: رنگِ نمو'' کے عنوان سے اُن کا شعری مجموعہ منظر عام پر آیا تھا۔ اتفاق کی بات کہ بہ حیثیت شاعر وہ قارئین کی توجہ کا مستحق نہ ہوسکے۔ اسّی کی دہائی ہی میں انھوں نے دو ٹل ادبی میگزین ''واردات'' اور ''پیش رفت'' نکالے جن کے فقط آٹھ ہی شمارے نکل سکے۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ یہ رسالے قارئین کی توجہ کا مرکز بنے۔ یہی دونوں رسالے خالد سعید کی تنقید نگاری کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوئے اور انھوں نے اپنی تنقید نگاری کے ذریعے ہر خاص و عام کو اپنی توجہ کا مرکز بھی بنایا۔ تا ہنوز تنقیدی مضامین کے تین مجموعے بھی اشاعت سے ہم کنار ہو چکے ہیں۔ پہلا مجموعہ ''تعبیرات'' ۱۹۸۷ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس کے بعد ''پسِ تحریر'' ۲۰۰۴ء میں اور تازہ مجموعہ ''معنی کا گمان'' ۲۰۰۹ء میں اشاعت سے ہم کنار ہوا۔

مندرجہ بالا مضامین کی قرأت کے بعد قاری اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ڈاکٹر حلیمہ فردوس نے برسہا برس اس دشت کی سیاحی کی ہے اسی باعث اُن کا قلم رواں ہے، خاص طور پر اس وقت جب وہ نسائی ادب پر خامہ فرسائی کرتی ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارا منظر نقش ہوتا چلا جا رہا ہے۔ مجموعی طور پر اس کتاب کی خاطر خواہ پذیرائی ہونی چاہیے۔

تبصرہ نگار: محمد غالب نشتر

لین نمبر 3، ستّار کالونی، برتیو، رانچی (جھارکھنڈ)

پروین شیر کی شاعری میں نسائی احساس و ادراک

تنقید و تجزیہ: شبنم پروین
صفحات: ۲۲۴، قیمت: ۲۵۰/روپے
ناشر: کتابی دنیا، دہلی

عالمی سطح پر آباد اردو کی نئی بستیوں سے مرکزِ اردو ہندو پاک کی شبانہ روز قربت قابل تحسین ہے۔ کیوں کہ قربت کے بعد احوال وکوائف جاننے کے مواقع ہاتھ آتے ہیں۔ علمی مباحث کے لیے در وا ہوتے ہیں۔ بدلتے موضوعات اور ادبی منظرنامہ سے آگاہی ہوتی ہے۔ اس طرح مباحثے، مکالمے اور تبادلے کے لیے سازگار ماحول بن جاتا ہے۔ چنانچہ پختہ کار ناقدین کے علاوہ نئی نسل اور مبتدی قلم کاروں کا نئی بستیوں کے ادبا وشعرا سے عالمانہ تعارف باعث فرح وانبساط ہے۔ ساتھ ہی نوجوانوں کے اس قدم سے علمی تجسس اور وسیع تناظر میں کچھ سیکھنے کی بھی کوشش نظر آتی ہے۔ پیش نظر کتاب ''پروین شیر کی شاعری میں نسائی احساس وادراک'' اسی ضمن میں ایک مثبت قدم ہے۔ کیوں کہ شعری سخن فہم اور فکشن کا ذوق رکھنے والی شبنم پروین نے پروین شیر کی شاعری میں نسائی احساس وادراک کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کا یہ کام کئی سطحوں پر قابل التفات ہے۔ پروین شیر اردو کی ایک پرکشش بستی کنیڈا میں مقیم ہیں اور ان کی شاعری معنیاتی سطح پر تہہ دار بھی ہے۔ گویا شبنم پروین نے اپنے مطالعہ کے لیے ایک تو نئی بستی کی ایک شاعرہ کا انتخاب کیا ہے اور وہ بھی ایک ایسی شاعرہ، جن کا شاعرانہ شعار ذرا مختلف ہے۔ بقول پروفیسر عتیق اللہ 'پروین کی شاعری آسان کم مشکل زیادہ ہے۔ راست کم پیچیدہ زیادہ ہے'۔ اس لیے یہ کہنا پڑے گا کہ شبنم کے اندر متن سے جوجھنے اور معنیاتی تہہ داریوں میں اترنے کا جذبہ ہے، اس لیے انھوں نے ایسی تخلیق کار کو نہ صرف منتخب کیا، بلکہ تشریحی وتوضیحی معاملات میں اپنے تنقیدی رویوں کا بھی احساس دلایا ہے۔ اس لیے شبنم پروین کی سخن فہمی ہمیں اس سطح پر متاثر کرتی ہے۔

شبنم پروین نے دراصل اپنے ایم فل کے مقالہ میں خاصا ترمیم واضافہ اور تہذیب کے بعد یہ کتاب پیش کی ہے اور یہ مقالہ انھوں نے سفیرِ اردو پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کی نگرانی میں تیار کیا، جس کے لیے شبنم نے ان کی خصوصی معاونت کا ذکر بھی کیا ہے۔

پیش نظر کتاب ''پروین شیر کی شاعری میں نسائی احساس وادراک'' اساسی طور پر تین زمروں میں منقسم ہے، جن میں انھوں نے پروین شیر کی سوانح، نظموں اور غزلوں کا جائزہ لیا ہے۔ ان ابواب سے ماقبل پیش لفظ اور مابعد پسِ لفظ اور کتابات ہیں۔ شبنم نے جس انداز سے پروین شیر کی شاعری کا تجزیہ ہے، اس سے انداز ہوتا ہے کہ ان کے یہاں تین خصوصیات واضح ہوتی ہیں۔ ایک ماضی کی بازیافت، دوسرا پیش آمدہ مسائل کا تجزیہ اور تیسرا معنیاتی سطح پر تہہ داری۔ ظاہر ہے وہی تخلیق انسانی ذہن سے قریب ہوگی، جو ماضی کی پگڈنڈیوں سے گزر کر حال کی شاہراہوں پر کھڑی نظر آئے۔ فقط سامنے کے موضوعات کا تجزیہ صحافیانہ رنگ وآہنگ کی مثال بن جاتا ہے۔ اس لیے کسی بھی واقعہ میں تخلیقی مزاج پیدا کرنے کے لیے رمز وایمائیت کا سہارا لینا ضروری ہے، تاکہ راست بیانیہ سے تخلیقی حسن مجروح نہ ہونے پائے۔ چوں کہ میں نے راست طور پر پروین شیر کا مطالعہ نہیں کیا ہے، اس لیے ان کی سخن دانی پر لب کشائی مناسب نہیں۔ البتہ شبنم پروین نے ان کے کلام کے تجزیہ میں جو روش برقرار رکھی، اس سے اندازہ کیا ہی جاسکتا ہے کہ پروین نے پیش آمدہ مسائل کے تجزیہ میں بھی شعری حسن کو مجروح ہونے سے بچایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابہام، اغماض اور تہذیبی ادغام سے ان کا فکریہ رویہ باعث کشش ہوگیا ہے۔

شبنم پروین نے اپنے تجزیہ کو یوں تو نسائی ادراک واحساس کے ساتھ آگے بڑھانے کی کوشش کی ہے، لیکن اس کتاب میں لاشعوری طور پر ہی سہی پروین کے موضوعاتی سروکار، فکری انسلاکات اور فنی معاملات سے مکمل طور پر آگہی ہوجاتی ہے۔ پروین شیر نہ صرف اپنے نسائی رویوں کے ساتھ سامنے آتی ہیں، بلکہ ثانیثی اشاروں سے بھی ہمیں متوجہ کرتی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تانیثی مزاحمت میں نسائیت کو کوئی زک نہیں پہنچتی ہے۔ گویا ان کے یہاں ثانیثیت، نسائیت سے مزاحم نہیں ہے۔ ورنہ تو آج بے شمار تخلیق کاروں کے تانیثی رویوں میں نسائیت مجروح نظر آتی ہے۔

الغرض شبنم پروین نے اپنے توضیحی اور تشریحی رویوں میں پروین شیر کو سمجھنے اور سمجھانے کی قابل قدر کوشش کی ہے۔ ان کے اسی رویے سے جہاں پروین شیر کی شاعری مطالعہ پر اکساتی ہے، وہیں شبنم پروین کا ناقدانہ شعار بھی ہمیں متوجہ کرتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مبتدی قلم چراغوں سے چراغ جلاتا ہے اور ایک دن ایسی روشنی بھی بکھیرتا ہے، جو پرانے چراغوں سے منفرد ومختلف ہوتا ہے اور ان کی تفہیم وتجزیہ کا اپنا مخصوص انداز بن جاتا ہے۔ شبنم پروین کی یہ کتاب ایک طرف جہاں نوجوان نسل کے اندر نئے شہروں کو سمجھنے کی طرف اشارہ کرتی ہے، وہیں نئی بستیوں کو مرکزِ اردو ہندو پاک سے قریب کرتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ شبنم کی تفہیمی بصیرت اور تجزیہ سے ہمیں روشناس کراتی ہے۔

تبصرہ نگار: سلمان عبدالصمد
جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

سخن سعید

شاعر: سعید اعظمی
صفحات: ۱۶۸، قیمت:۲۵۰/روپے
ملنے: اردو بک ریویو،1739/3 (بیسمنٹ) نیو کوہِ نور ہوٹل، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی۔110002

متھرا کی ادبی تاریخ کا ایک سنہرا دور اُس وقت شروع ہوتا ہے جب محترم سعید اعظمی نے متھرا کی غیر ادبی سرزمین پر بزمِ شیدائے کی داغ بیل ڈالی۔ یہ بات ۲۰۰۲ء کی جب سعید اعظمی اپنی زندگی کی ۶۵ بہاریں دیکھ چکے تھے۔ سعید اعظمی کا آبائی وطن اعظم گڑھ ہے۔ مختلف تعلیمی اداروں سے اسناد حاصل کر کے دہلی اور علی گڑھ میں معاشی ضروریات کے پیش نظر کچھ سال قیام کرتے ہوئے ۱۹۶۴ء میں متھرا کی مستقل سکونت اختیار کی اور یہیں اپنی کاروباری مصروفیات کے ساتھ ساتھ ادبی سرگرمیوں میں شامل ہونا شروع کر دیا۔ ''سخن سعید'' ان ہی کاوشوں نتیجہ ہے۔ یہ شعری مجموعہ اپنے استاد محترم الحاج ڈاکٹر الیاس گنوری کو نذر کرتے ہوئے دنیائے ادب کے مخلص قلمکاروں کو نذر کرنا سعید اعظمی کی ادب دوستی کی زندہ علامت ہے۔ الیاس گنوری، ظہیر حسن (ڈی لٹ) تابش مہدی اور ڈاکٹر اعظم نے ''سخن سعید'' پر سیر حاصل تبصرہ کر کے سعید اعظمی کی شخصیت کے نمایاں پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ کتاب کا آغاز حمدیہ، نعتیہ اور منقبتی کلام سے کیا گیا ہے۔ ان پاکیزہ اور نازک اصناف میں سعید اعظمی نے روایتی رنگ سے ہٹ کر شعر کہنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ مثلاً:

نبوت کے جس اعلیٰ گل سے صحن آمنہ مہکا
رہِ حق کی ہمیں خوشبو ملی ہے اس گلِ تر سے

اِس کے بعد غزل کا دور شروع ہوتا ہے، یہاں بھی قدیم اور جدید لب و لہجے کا امتزاج نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر کچھ شعر ملاحظہ کریں:

ہم سرِ راہ لیے بیٹھے ہیں اک چنگاری
جس کا جی چاہے چراغوں کو جلا لے جائے

کون کہتا ہے زمانے میں محبت ہے فریب
کچھ ہوس کاروں نے شوشہ یہ اٹھایا ہوگا

شاعر نباض وقت تو کہا ہی جاتا ہے، لیکن وہ آنے والے وقت کے خطرات کو بھی بھانپ لیتا ہے، اُس کی چھٹی حس ایک آئینے کی طرح اسے کل تصویر دکھاتی ہے اور وہ اسے اشعار میں ڈھال کر بے دھڑک زمانے کے روبرو پیش کر دیتا ہے، ملاحظہ کریں ذیل کا شعر جو ایک صحت مند سماج کو باقی رکھنے کا پیغام دے رہا ہے:

بچوں کا دل مصفّیٰ رہے چاند کی طرح
نفرت کے سارے باب نکالو زبان سے

سخن سعید سے ایک بات تو نمایاں طور پر ظاہر ہو رہی ہے کہ سعید اعظمی ایک نڈر انسان ہیں۔ وہ ناانصافی قطعی برداشت نہیں کرتے۔ ظلم کو ظلم ہی سمجھتے ہیں۔ سماج میں پھیلی برائیوں کے خلاف آواز اٹھانا ان کی فطرت کا ایک پاکیزہ حصہ ہے، اسی تو وہ کہتے ہیں:

جو بھی حالات نگاہوں سے گزرتے ہیں سعید
وہ رقم کرتے ہیں ہاتھوں میں قلم رکھتے ہیں

مرے عمل سے، مرے عزم میں جوانی ہے
مری غزل مرے جذبوں کی ترجمانی ہے

اپنے وطن سے محبت ایک فطری جذبہ ہے۔ جس کا اظہار ہر انسان کسی نہ کسی طرح کرتا ہے۔ سعید اعظمی کا دل بھی اس عظیم شے سے آراستہ ہے، اسی لیے وہ رقمطراز ہیں:

آج بھی مجھ کو بلا کا پیار اعظم گڑھ سے ہے
آنکھ پُرنم ہوگئی جب یاد وہ گھر آ گیا

ایسے اشعار کے علاوہ دوسرے انسانوں کی نفسیات پر مبنی کلام اس کتاب کی اہمیت اور افادیت کو چار چاند لگانے کے ساتھ ساتھ قارئین کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا فریضہ بھی انجام دے رہا ہے۔ نیز ان جملہ خوبیوں کے ساتھ کتاب کی تزئین کاری، عمدہ کاغذ اور طباعت بھی قارئین کو مدح سرائی پر مجبور کر دے گی۔

تبصرہ نگار: دردد ہلوی
657، گلی نمبر 26، جعفر آباد، دہلی، موبائل:9891195087

شاکر کریمی کا تخلیقی شعور (مضامین کا مجموعہ)

مرتبہ: عدیلہ نسیم
صفحات: ۲۸۸، قیمت: ۱۷۳/روپے
ناشر: عدیلہ پبلی کیشنز، ڈومن پورہ (کساری) مئوناتھ بھنجن (یوپی)

زیر تبصرہ کتاب چوبیس مضامین پر مشتمل ہے جس کا تعلق شاکر کریمی کے شعری و نثری کاوشوں سے ہے۔ جن کا انتخاب کتاب کی موصوفہ نے نہایت ہنرمندی اور بڑی خوش اسلوبی سے کیا ہے۔ شاکر کریمی کی پیدائش تین جنوری ۱۹۴۲ء میں چمپارن ضلع کے بتیا میں ہوئی جو موجودہ وقت میں

مغربی چمپارن کا صدر مقام ہے۔ان کے والد محترم مولوی محمد عنایت کریم ایک شاعر اور والدہ محترمہ حافظِ قرآن تھیں ۔اس طرح شاکر کریمی کی پرورش ایک علمی و ادبی گھرانے میں ہوئی جس کا اثر ان کی شخصیت پر بھی پڑا۔ نتیجے کے طور پر اعلیٰ اسکولی تعلیم حاصل کیے بغیر ہی وہ ایک بلند پایہ افسانہ نگار اور اچھے شاعر بھی ثابت ہوئے ۔بارہ سال کی کم عمری میں ہی ان کا پہلا افسانہ ۱۹۵۴ء میں ہی شائع ہو گیا تھا اور تقریباً اسی سال ان کی پہلی نظم اور غزل بھی رسالہ ''جمالستان'' دہلی سے شائع ہوئی۔اب تک ان کے تین افسانوی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ پہلا افسانوی مجموعہ ''پردے جب اٹھ گئے'' ۱۹۶۳ء میں ،دوسرا افسانوی مجموعہ ''اپنی آگ'' ۱۹۷۹ء میں و تیسرا افسانوی مجموعہ ''ایک دن کا لمبا سفر'' ۲۰۱۴ء میں شائع ہوا۔اس کے علاوہ ایک شعری مجموعہ ''ریزۂ مینار'' ۱۹۸۵ء میں منظر عام پر آیا۔ان کا ایک شاہکار ناول ''جشن کی رات'' ہے جو ۲۰۱۷ء میں شائع ہوا۔اپنے اسی ایک ناول کی بنیاد پر شاکر کریمی اردو ناول نگاری کے میدان میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یوں تو انھوں نے افسانے بھی لکھے ہیں اور شاعری بھی کی ہے، لیکن خاص طور سے وہ ایک افسانہ نگار کے طور پر ہی سامنے آتے ہیں ۔ان کے افسانوں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ صرف قصہ کہانی تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ ہر وہ واقعات ،سانحات اور حادثات جن کا تعلق انسانی زندگی سے ہے ان کے موضوعات میں شامل ہو گئے ہیں ۔ان کے اکثر و بیشتر افسانے انسانی زندگی کے سماجی و تہذیبی مسائل کی بہترین عکاسی کرتے ہیں ۔ان کے پہلے افسانوی مجموعے ''پردے جب اُٹھ گئے'' میں کل دس افسانے ہیں ۔دوسرے افسانوی مجموعے ''اپنی آگ'' میں کل اُنیس افسانے و تیسرے افسانوی مجموعے میں کل سترہ افسانے ہیں۔

پہلے افسانوی مجموعے ''پردے جب اُٹھ گئے'' میں رومانیت کا عنصر غالب ہے اور اس کے سبھی افسانوں کا تعلق صنف نازک سے ہے جس میں انھوں نے عورت ذات کو مختلف زاویے سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے ۔مذکورہ بالا افسانوی مجموعے میں افسانہ ''تو نہیں اور سہی'' ہے، جس میں عورت کو بے وفا کے طور پر پیش کیا گیا ہے ۔اس افسانے میں جارج اور روزی دو کردار ہیں ۔جارج روزی سے والہانہ اور بے لوث محبت کرتا ہے اور اس کو خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے باوجود اس کے روزی خوب سے خوب تر کی کوشش میں لگی رہتی ہے۔ کیونکہ اس کا دل کسی ایک عاشق پر تا دیر قائم نہیں رہ پاتا ۔اس لیے شاکر کریمی نے اس افسانے کو ''تو نہیں اور سہی'' سے تعبیر کیا ہے، لیکن انھوں نے عورت ذات کے دوسرے پہلو کو بھی بخوبی نمایاں کیا ہے جس کی بہترین مثال ان کا افسانہ ''ایک دن کا لمبا سفر'' ہے جو ایک دلت عورت کی کتھا ہے جس کا شوہر ایک عرصہ سے ملازمت کی غرض سے کلکتہ میں ہے اور ایک زمانے سے واپس نہیں آیا ہے۔شوہر کی اس لمبی جدائی کے باوجود اس کی بیوی اپنی عزت و وقار سے کبھی بھی کسی طرح کا کوئی سمجھوتہ نہیں کرتی ہے اور تمام درپیش مسائل کا بخوبی سامنا کرتی ہے۔ تیسرے افسانوی مجموعے کا ایک اہم افسانہ ''ایک اور گوتم'' ہے جس میں عہد حاضر کے سلگتے ہوئے فرقہ وارانہ فسادات اور دہشت گردی جیسے سماجی مسائل کی بہترین آئینہ داری کی گئی ہے۔

اس کتاب میں شاکر کریمی پر لکھے گئے شاعری کے مضامین بھی قابلِ تحسین ہیں کیونکہ ان مختصر مضامین کے ذریعے شاکر کریمی کی شاعری کی مختلف جہات کو بہترین انداز میں پیش کیا گیا ہے ۔شاکر کریمی نے اپنی شاعری کے مختصر سفر میں اپنی ذہانت اور بلند پروازی کی بنیاد پر انسانی زندگی کے مختلف حقائق سے پردہ اُٹھانے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے اور ساتھ ہی وحدت الوجود سے روشناس بھی کرایا ہے۔

غزل کی عام عشقیہ روایت کے مطابق شاکر کریمی کے یہاں بھی حسن و عشق کا برملا اظہار ہے، لیکن ان کے نزدیک عشق کا میدان ہجر و وصال تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کی حیثیت ایک پاکیزہ عبادت کی ہے۔ میرؔ کی طرح حسن کی رسوائی کسی بھی حالت میں انھیں منظور نہیں ہے ۔عاشق کے لیے حسن کا احترام ناگزیر ہے۔وہ عشق کے میدان میں عاشق کی ہستی کا فنا ہو جانا ایک کامیاب عشق کی دلیل مانتے ہیں۔

موصوفہ نے اس کتاب میں اپنے چار مضامین اور شاکر کریمی سے لیے خود کے انٹرویو کو بھی شامل کیا ہے ۔ان کے سوالات اور جوابات سے شاکر کریمی کی شخصیت اور ان کی زندگی کے مختلف پہلو اور واضح ہو جاتے ہیں ۔کتاب میں شامل کل چوبیس مضامین کے علاوہ موصوفہ نے شاکر کریمی پر لکھے گئے چند تبصرے اور ان کے منتخب اشعار کو بھی شامل کیا ہے جو ان کی ذہنی صلاحیت اور قابلیت کی دلیل ہے ۔اگرچہ موصوفہ بنارس ہندو یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو کی ریسرچ اسکالر ہیں اور اپنی تحقیقی اور دیگر مصروفیات کے باوجود بھی جس خوش اسلوبی کے ساتھ اس کتاب کو ترتیب دیا ہے وہ قابلِ دید اور قابلِ ستائش بھی ہے ۔امید ہے کہ یہ کتاب شاکر کریمی اور خواتین و دلت مسائل سے متعلق کیے جانے والے ادبی و تحقیقی کام کے لیے مفید اور کارآمد ثابت ہوگی۔

تبصرہ نگار: رفیع الدین
ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، موبائل:9953714065